السیرۃ النبویۃ از احمد بن زینی دحلان (م ۱۳۰۴ھ) کے مباحث فقہیہ کا تحقیقی جائزہ

ڈاکٹر حافظ محمد نعیم*

ABSTRACT

Ahmad bin zeni Dahlan was born in Mecca on 1231 AH.He was a great scholar of Tafseer, Hadith, Fiqh and Sirah .His book "السیرۃ النبویۃ" is a wonderful piece of writing on sirah of Holy Prophet (PBUH).This book has got a significant place in sirah literature. In this book, Author discusses almost all the aspects of the life of Prophet Muhammad (PBUH), like his attributes, miracles, incidents and battles etc. One of zeni dahlan's modes of sirah writing is that he derives juristic implications and lessons from the events of sirah which can be called Fiqh al sirah in modern terminology.This article intends to explore the mode of Fiqh al sirah in respect with "Al sirah al nabawiyyah" written by Ahmad bin Zeni Dahlan.

احمد بن السید زینی احمد بن عثمان الحسنی الہاشمی القرشی المکی الشافعی ۱۲۳۱ھ میں مکۃ المکرمہ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۰۴ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ تاریخ وفات پہ تمام تذکرہ نگار متفق ہیں جبکہ تاریخ پیدائش بعض نے ۱۳۳۲ھ اور کچھ حضرات نے ۱۳۳۳ھ لکھی ہے۔ ان کا تعلق بیت الدحلان سے تھا جو کہ مکۃ المکرمہ میں ہے اور علم و فضل اور نسب کے اعتبار سے حجاز میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ احمد بن زینی دحلان مفتی، مؤرخ اور فقیہ تھے ان کو رئیس العلماء، شیخ علماء الحجاز فی عصرہ، فرید العصر، شیخ الخطباء اور امام الحرمین و عمدۃ الافاضل جیسے القابات سے نوازا گیا۔ علوم شریعت، تاریخ، نحو، ریاضی، تصوف اور سیرت سمیت بہت سے موضوعات پر متعدد کتب کے مصنف ہیں لیکن ان کی اصل وجہ شہرت ان کی کتاب "السیرۃ النبویۃ" ہے۔[1]

السیرۃ النبویۃ لزینی دحلان کا شمار تیرھویں صدی ہجری کی اہم کتب سیرت میں ہوتا ہے زینی دحلان نے متقدمین و متاخرین سے اخذ و استفادہ کرتے ہوئے ان کی پیروی میں اپنی کتاب کو سیرت کے روایتی طرز بیان کے ساتھ ساتھ فقہی مسائل، بصائر و حکم اور کلامی مسائل وغیرہ سے آراستہ کیا ہے۔ مصنف نے مقدمہ کتاب میں اپنے ماخذ و مصادر کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کتاب کو بنیادی طور پر ایک تلخیص قرار دیا ہے۔[2]

*چیئرپرسن / ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ عربی و علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی لاہور

احمد بن زینی دحلان فقہ سے خاص شغف رکھتے تھے مفتی مکۃ المکرمہ تھے اس لیے ان کے اس مزاج کا رنگ "السیرۃ النبویۃ" میں بھی نظر آتا ہے۔ مصنف نے وقائع سیرت سے فقہی مسائل اور دروس و حکم اخذ کرتے ہوئے قاری کے لیے مزید دلچسپی کا سامان پیدا کیا ہے۔ مصنف نے انبیاء سابقین اور آپ ﷺ کے آباؤاجداد کی زبان سے آپ ﷺ کی شان و عظمت کے ذکر سے آغاز کیا ہے اور آپ ﷺ کی پیدائش پر خوارق عادت چیزوں کا تذکرہ کرتے ہوئے مکی و مدنی زندگی کے تمام اہم واقعات سے تعرض کیا ہے نیز غزوات و سرایا، مکاتیب و معاہدات، وفود عرب اور آخر میں آپ ﷺ کے معجزات، شمائل و خصائص و وجوب اطاعت و محبت جیسے عنوانات سے بھی بحث کی گئی ہے۔

واقعات سیرت کے ضمن میں فقہی احکام کے اخذ و استنباط کے اسلوب و منہج کی جھلک مقدمہ کتاب سے ہی نظر آتی ہے جہاں مصنف عربوں کے فضائل بیان کرتے ہوئے بعض علماء کے اس فتویٰ کو نقل کرتے ہیں کہ جس نے عربوں کو برا بھلا کہا وہ واجب القتل ہے۔[3] مختلف واقعات سیرت کے تذکرہ میں متعدد اور متنوع احکام کا استخراج کیا گیا ہے مثلاً آپ ﷺ کے یوم پیدائش پر خوشی کے اظہار کا جواز اور سنت سے اس کا ثبوت، آپ ﷺ کے والدین کے ایمان اور جس شخص کو دعوت (اسلام) نہ پہنچی ہو اس کی نجات کا مسئلہ، کفار کے مقتولین بدر کو کنویں میں پھینکنا اور حربی کے دفن کے واجب نہ ہونے کا جواز، بدر کے قیدیوں کا معاملہ اور عہد نبوی ﷺ میں اجتہاد کا جواز، بنت رسول ﷺ حضرت زینبؓ کی حضرت ابوالعاصؓ بن ربیع کے پاس واپسی اور مشرکین سے حرمت نکاح کا مسئلہ، اہل بدر کے اسماء اور ذکر سے توسل حاصل کرنے کا جواز، بدر کی شکست کے بعد ابوسفیان کی بدلہ لینے تک جنابت سے غسل نہ کرنے کی قسم کے ضمن میں غسل جنابت کا مسئلہ، حضرت علیؓ کی حضرت فاطمہؓ سے شادی اور نکاح میں وکالت اور غائب شخص کے نکاح کا معاملہ، قتل صبر کے وقت حضرت خبیبؓ کی دو رکعت نماز کے سنت ہونے کا جواز، اموال بنی نضیر کی حیثیت، حضرت عائشہؓ پر نزول برأت کے بعد تہمت لگانے کی سزا، قصہ ثمامہ بن اثال سے مستنبطہ مسائل[4] واقعات غزوہ الغابہ سے مسائل کا استنباط، سریہ عبد اللہ بن عتیک اور ابورافع کے قتل کے واقعہ سے احکام کا استنباط، قصہ عکل و عرینہ اور اونٹوں کے دودھ اور پیشاب سے علاج کرنے کا جواز، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا قبل

ازاسلام مشرکین کو قتل کرنا اور اس حوالے سے حالت امن میں دھوکہ سے کفار کا مال چھیننے کی ممانعت کا مسئلہ، سریہ عمرو بن العاصؓ اور فاضل پر مفضول شخص کی امارت کا مسئلہ، غزوہ حنین میں آپ ﷺ کا لباس حرب پہننا اور اس سے اسباب اختیار کرنے کے جواز کا مسئلہ اور غزوہ حنین کو شکست کہنے والے شخص سے مطالبۂ توبہ اور ایسے شخص کی سزا کا معاملہ جیسے مسائل زیر بحث لائے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ کے شمائل وخصائل کے تذکرہ میں بھی کہیں کہیں فقہی مسائل پر بات کی گئی ہے۔

(۱)حضور ﷺ کے والدین کے ایمان لانے یا نہ لانے کا مسئلہ ایک کلامی مسئلہ ہے مگر مصنف نے یہاں کلامی اور فقہی انداز اختیار کرتے ہوئے اس مسئلہ کو موضوع بحث بنایا ہے اور اس نقطۂ نظر کو اپنایا ہے کہ چونکہ آپ ﷺ کے والدین کی وفات زمانہ فترت میں ہوئی ہے اور زمانہ فترت کے بارے میں حکم یہ ہے کہ جو شخص اس عرصہ میں وفات پا گیا وہ ناجی ہے کیونکہ اس تک دعوت ہی نہیں پہنچی مصنف کے اس نقطہ نظر کی بنیاد، جس کا انہوں نے تذکرہ بھی کیا ہے، جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ) کی اختیار کردہ رائے پر ہے۔ جلال الدین السیوطی کے مطابق اصولیین میں سے اشاعرہ اور فقہاء میں سے شافعیہ اس چیز کے قائل ہیں کہ جس کو دعوت نہ پہنچی ہو وہ ناجی فوت ہوتا ہے۔ شافعی فقہاء اور اصولیین اشاعرہ میں اس حوالے سے کوئی اختلاف نہیں۔ امام شافعیؒ سے اس حوالے سے کتاب الام اور المختصر میں نص وارد ہوئی ہے، تمام

اصحاب نے ان کی اس حوالے سے پیروی کی ہے اور کسی نے بھی اختلاف کی طرف اشارہ نہیں کیا اور اس پر انہوں نے بہت سی آیات سے استدلال کیا ہے جیسا کہ "**وما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً**"[۵]

صاحب السیرۃ النبویۃ احمد بن زینی دحلان مزید لکھتے ہیں کہ یہ ایک فقہی مسئلہ ہے جو کہ کتب فقہ میں مقرر ہے اور قاعدہ اصولیہ کی فروع میں سے ایک فرع ہے اور وہ قاعدہ اصولیہ یہ ہے کہ "**شکر المنعم واجب بالسمع لا بالعقل**"[۶] اور اس قاعدہ کا مرجع قاعدہ کلامیہ ہے کہ "**التحسین والتقبیح بالعقلیان**" ہے[۷] اور پھر "**من لم تبلغه الدعوۃ**" والا مسئلہ ایک اصولی قاعدے کی طرف لوٹتا ہے جو یہ ہے کہ "**ان الغافل لا یکلف**"[۸] اور یہ

قاعدہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "أن لم یك ربك مهلك القری بظلم وأهلها غافلون" (الانعام:۱۳۱) کی روشنی میں اصولی طور پر درست ہے۔[۹]

مصنف نے علماء کے اس اختلاف کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ جس کو دعوت نہ پہنچی ہو اسے کس نام سے پکاریں گے۔ بعض کے نزدیک اسے ناجی، کچھ کے نزدیک اہل الفترۃ اور بعض کے نزدیک مسلم کہیں گے۔[۱۰]

(۲) غزوہ بدر میں آپ ﷺ مشرکین کی لاشوں کے پاس کھڑے ہو کر ان سے مخاطب ہوئے اور ان پر حسرت و یاس کا اظہار کرتے ہوئے ان کی کرتوتوں اور ان کے انجام کا تذکرہ کیا اور پھر ان مشرکین کی لاشوں کو ایک کنویں میں ڈالنے کا حکم دیا۔ زینی دحلان نے اس واقعہ سے یہ حکم اخذ کیا ہے کہ آپ ﷺ کے اس فعل (یعنی ان کی لاشوں کو کنویں میں ڈلوانا) میں اس بات کی دلیل ہے کہ حربی کو دفن کرنا واجب نہیں بلکہ اس کی لاش پر اغراء الکلام بھی جائز ہے[۱۱] اصحاب بدر کی فضیلت و عظمت کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے آپ ﷺ کے بیان کردہ الٰہی قول "إعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم"[۱۲] کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ مستقبل میں گناہوں سے محفوظ رہنے کے لیے کنایہ ہے اس میں گناہوں کی اباحت کی دلیل نہیں ہے[۱۳] نیز مصنف نے یہاں بعض علماء کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اہل بدر کے ناموں کی تلاوت کرنا، ان کے ذریعہ سے توسل کرنا اور ان کو لکھ کر اٹھانا یا گھروں میں لٹکانا جائز ہے اور یہ دشمنوں کی چالوں اور ظالموں کے ظلم سے حفاظت نیز نصرت اور فتح و سلامتی کا سبب ہے۔[۱۴]

(۳) ابو رافع سلام بن اَبی الحقیق اکابر مجرمین یہود میں سے تھا جس نے اپنی حرکتوں اور مال و دولت ہر لحاظ سے مسلمانوں کی مخالفت کی۔ غزوۂ احزاب میں مدینہ کا محاصرہ کرنے والی قوتوں کے پیچھے بنیادی کردار اسی شخص کا تھا۔ قبیلہ اوس کے کعب بن اشرف کے قتل کے بعد قبیلہ خزرج کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے ابو رافع کے قتل کی اجازت لی۔ یہ لوگ اس کے قلعے کی طرف بڑھے۔ حضرت عبد اللہؓ بن عتیک حیلے بہانے سے اس کے قلعہ میں گھس گئے اور اپنی آواز بدل کر یہود کی زبان استعمال کرتے ہوئے دھوکے سے ابو رافع کو قتل کر دیا، ابو رافع کے کمرہ میں اندھیرا تھا لہٰذا عبد اللہؓ بن عتیک نے آواز سے اندازہ کرتے ہوئے اس پر وار کیا اور اس کا کام تمام کر دیا نیز اس کی موت کی تصدیق کرنے کے لیے اس کے قلعہ میں چھپ کر بیٹھ گئے اور مرغ کی اذان کے وقت جب ایک شخص نے قلعہ کی

دیوار پر چڑھ کر ابورافع کی موت کا اعلان کیا تو پھر وہاں سے نکلے۔صاحب السیرۃ النبویۃ اس واقعہ سے احکام و فوائد کا استنباط کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و فی هذه القصة من الفوائد جواز اغتيال المشرك الذی بلغته الدعوة، وأسر و قتل من اعان عليهﷺبيده أو ماله أولسانه، و جواز التجسس على أهل الحرب و تطلب غرتهم و الأخذبالشدة فی محاربتهم، و ايهام القول للمصلحةوتعرض القليل من المسلمين علىٰ للكثير من المشركين و الحكم بالدليل........ و العلامة لاستدلال ابن عتيك على أبی رافع بصوته واعتماده علىٰ صوت الناعی بموته۔١٥؎

(١) یعنی جس مشرک تک دعوت پہنچ چکی ہو اور وہ پھر بھی کفر پر اصرار کیے بیٹھا ہو تو اسے دھوکے سے قتل کرنا جائز ہے۔

(٢) جو شخص نبی کریم ﷺ کے خلاف اپنے ہاتھ، مال اور زبان سے (مشرکوں اور اعداءِ اسلام کی) مدد کرے اسے قتل کیا جاسکتا ہے۔

(٣) اہل حرب کا تجسس کیا جاسکتا ہے اور ان کی غفلت کے اوقات ڈھونڈنا درست ہے۔

(٤) مشرکین کے ساتھ جنگ میں شدت اختیار کرنا یا سختی برتنا جائز ہے۔

(٥) مصلحت کی خاطر مبہم بات کہنا جائز ہے۔

(٦) تھوڑی تعداد کے مسلمان زیادہ تعداد کے مشرکین سے لڑسکتے ہیں۔

(٧) دلیل اور علامت کے ساتھ فیصلہ کرنا جائز ہے جس طرح کہ حضرت عبد اللہ بن عتیک نے ابورافع کی آواز پر فیصلہ کیا (اور اندھیرے میں اس کی جگہ کا اندازہ لگاتے ہوئے اس پر وار کیا) اور موت کی خبر دینے والے کی آواز پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی موت کی خبر کا یقین کیا۔

(٤) صلح حدیبیہ میں عروہ بن مسعود کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے مذاکرات کے موقعہ پر حضرت مغیرہ بن شعبہ ہاتھ میں تلوار لیے اور مغفر پہنے آپ ﷺ کی پشت پر کھڑے تھے۔ جب عروہ بن مسعود آپ ﷺ کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتا١٦؎ تو مغیرہ بن شعبہؓ تلوار کے دستے سے اس کے ہاتھ پر مارتے اور کہتے "اپنا ہاتھ پیچھے

ہٹا"[۱۷] مصنف نے حافظ ابن حجر کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس میں اس بات کا جواز ہے کہ امیر کی حفاظت اور دشمن کی دست درازی سے محفوظ رکھنے کے لیے امیر کے سر پر تلوار لے کر کھڑا ہوا جا سکتا ہے اور یہ اس ممانعت سے متعارض نہیں جس میں بیٹھے ہوئے شخص کے پاس تعظیماً کھڑا ہونے سے روکا گیا ہے۔[۱۸]

(۵) غزوہ الغابہ یا غزوہ ذی قرد میں عبد الرحمن بن عیینہ بن حصن فزاری نے اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے اونٹوں پر حملہ کیا اور انہیں ہانک کر لے گیا حضرت سلمہ بن اکوعؓ کو اس حادثہ کا پتہ چلا تو انہوں نے بلند آواز سے اعلان کر کے اہل مدینہ کو متنبہ کر دیا اور خود ڈاکوؤں کے تعاقب میں نکلے اور ان سے شدید لڑائی کرتے ہوئے اونٹ چھڑوا لیے۔ سلمہ بن اکوع نے دشمن کے سامنے اپنی بہادری و شجاعت کی تعریف خود کی (خذها و أنا ابن الأكوع- اليوم يوم الرضع)۔ جب نبی کریم ﷺ پہنچے تو وہ ان لوگوں سے تمام اونٹ چھڑوا چکے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت سلمہ بن اکوعؓ کو اپنی اونٹنی پر پیچھے بٹھا لیا اور ان کے بارے میں فرمایا "خير رجالتنا اليوم سلمه"[۱۹] (آج ہمارے پیادوں میں سب سے بہتر سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔)

مصنف نے اس واقعہ کا تذکرہ کرنے کے بعد اس سے درج ذیل احکام اخذ کیے ہیں:

(۱) اس واقعہ میں اس بات کا جواز ہے کہ جنگ میں شدت اختیار کی جا سکتی ہے۔

(۲) بلند آواز کے ساتھ لوگوں کو متنبہ کیا جا سکتا ہے۔

(۳) بہادر شخص دشمن پر رعب ڈالنے کے لیے اپنی ذات کی خود تعریف کر سکتا ہے۔

(۴) بہادر شخص کے لیے ثناء کا استعمال اور اس کی ذات میں جو بھی خوبیاں ہوں ان کی تعریف اور اعتراف کرنا جائز ہے خصوصاً اچھے کارناموں کے موقع پر، اور اس کا محل (موقع) وہ ہے جب وہ (بہادر) فتنے میں پڑنے سے محفوظ ہو۔ (یعنی یہ خوف نہ ہو کہ تعریف کرنے سے وہ پھول جائے گا) [۲۰]

(۶) مصنف نے روایت بیان کی ہے کہ فتح خیبر کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب سولہ (۱۶) اصحابؓ کے ساتھ حبشہ سے تشریف لائے نبی کریم ﷺ نے ان کا استقبال کیا، حضرت جعفرؓ کی پیشانی کو چوما، ان سے معانقہ کیا اور ان کے لیے کھڑے ہوئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ آج مجھے زیادہ کس بات کی خوشی ہے خیبر کے فتح

ہونے کی یا (حضرت) جعفرؓ کے آنے کی، پھر آپ ﷺ نے حضرت جعفر کے لیے فرمایا کہ تو صورت و سیرت میں میرے جیسا ہے۔ آپ ﷺ کے اس خطاب کی لذت سے حضرت جعفرؓ نے رقص کیا اور نبی کریم ﷺ نے اس کا انکار نہیں کیا۔[۲۱]

اس روایت کو بیان کرنے کے بعد مصنف لکھتے ہیں کہ صوفیہ حضرات محافل ذکر و سماع میں جب وجد کی لذت سے آشنا ہو کر رقص کرتے ہیں تو ان کے رقص کی دلیل اسی روایت کو بنایا گیا ہے۔[۲۲]

(۷) مصنف نے واقعات سیرت میں سے بعض واقعات کی حکمت پر بھی روشنی ڈالی ہے مثلاً آپ ﷺ کی بکریاں چرانے کی حکمت، ہجرت مدینہ میں پنہاں حکمت، غزوہ احد کی آزمائش میں حکمت، شرائط صلح حدیبیہ اور اس میں مضمر حکمتیں وغیرہ۔

مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت اور وہاں اقامت پذیر ہونے کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"والحكمة فى هجرة الى المدينة ان تتشرف به الأزمنة والأمكنة والاشخاص لا أنه يتشرف بها فلو بقى بمكة لكان يتوهم أنه قد تشرف بها لأن شرفها قد سبق بالخليل واسمعيل۔ عليهما الصلاة والسلام۔ فأمره بالهجرة الى المدينة فلما هاجر اليها تشرفت به لحلوله"۔[۲۳]

اس میں یہ حکمت تھی کہ زمان و مکان اور لوگ آپ کے ذریعہ سے شرف حاصل کریں نہ کہ آپ ﷺ ان کی وجہ سے۔ اگر آپ ﷺ اپنے وصال تک مکہ میں مقیم رہتے تو یہ وھم ہو سکتا تھا کہ حضور ﷺ کو شرف مکہ کی وجہ سے حاصل ہوا جبکہ مکہ کو شرف تو خلیل (حضرت ابراہیم علیہ السلام) واسماعیل علیہ السلام کے ذریعہ سے حاصل ہو چکا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ آپ ﷺ کا شرف ظاہر ہو لہذا آپ ﷺ کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا اور آپ ﷺ کی ہجرت سے مدینہ شرف والا ہو گیا۔

فقہی مسائل اور بصائر و حکم کے ساتھ کلامی مسائل بھی کتاب کا حصہ ہیں جیسے حضرات اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام میں سے ذبیح کا تعین، آپ ﷺ کے والدین کے ایمان کا مسئلہ، قبل از نبوت آپ ﷺ کی عبادت کی شرعی حیثیت کا مسئلہ، ایمان ابو طالب، رؤیت ملک، مقتولین بدر اور سماع موتی اور غزوہ احد میں قتال ملائکہ وغیرہ۔

واقعات سیرت سے اخذ و استنباط کے سلسلے میں امام سہیلی کی الروض الانف کے ساتھ ساتھ زیادہ انحصار ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری پر کیا گیا ہے جیسا کہ غسل جنابت کا مسئلہ امام سہیلی کی الروض الانف سے نقل کیا گیا ہے ۲۴ قصہ ثمامہ بن اثال ۲۵، سریہ عبد اللہ بن عتیک، ۲۶ غزوۃ الغابہ ۲۷، صلح حدیبیہ ۲۸، قصہ عکل و عرینہ ۲۹ سے مسائل حافظ ابن حجر کی فتح الباری کی روشنی میں اخذ کیے گئے ہیں۔ حضرت عائشہ پر تہمت کی سزا و غیرہ کا بیان قاضی عیاض کی کتاب الشفاء، امام سہیلی کی الروض الانف اور جلال الدین السیوطی کی الخصائص الکبری سے نقل کیا گیا ہے۔ روایات کے بیان میں کہیں کہیں تو سند اور کتاب کے نام کا تذکرہ کیا گیا ہے جبکہ اکثر مقامات پر ایسا اہتمام نہیں کیا گیا۔ روایات، روایات میں تطبیق دینے کی کوشش بھی کی گئی ہے مثلاً وفد ثقیف میں ایک مجذوم شخص کے سلسلے میں وارد ہونے والی معارض روایات کے سلسلہ میں مصنف نے اچھی تطبیق دی ہے جو کہ درج ذیل ہے۔

وفد ثقیف ۹ھ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ انہوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان میں ایک مجذوم شخص بھی تھا مصنف کے مطابق آپ ﷺ نے اس کو کہلوا بھیجا کہ تیری بیعت ہو گئی۔ پس تو واپس لوٹ جا ۳۰ جبکہ ایک مرفوع روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجذوم شخص کی طرف زیادہ دیر (مسلسل) نہ دیکھو ۳۱ اور اسی طرح ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے مجذوم سے کلام کیا جب کہ آپ ﷺ اور اس کے درمیان ایک نیزہ یا دو نیزوں کا فاصلہ تھا ۳۲ مصنف کے مطابق آپ ﷺ کا یہ ارشاد اور عمل آپ ﷺ کے اس قول "لاعدوی ولاطیرۃ" ۳۳ سے متعارض ہے جبکہ بعض روایات میں ایسا بھی ہے کہ آپ ﷺ نے مجذوم کے ساتھ کھانا کھایا، اس کا ہاتھ پکڑا اور پیالہ میں اس کے ہاتھ کے ساتھ ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ اللہ کے نام کے ساتھ کھاؤ، اللہ پر بھروسہ کرو اور اس پر توکل کرو ۳۴۔ ان تمام روایات اور تعارض کو بیان کرنے کے بعد زینی دحلان لکھتے ہیں کہ میں اس تعارض کا جواب یہ دوں گا کہ جہاں تک مجذوم سے اجتناب کے حکم کا تعلق ہے تو وہ میری رہنمائی کے لیے ہے لہذا آپ ﷺ کا مجذوم کے ساتھ کھانا کھانا قوی الایمان شخص کے لیے ہے اور اس سے اجتناب کا حکم ضعیف الایمان شخص کے لیے ہے آپ ﷺ نے دونوں صورتیں براہ راست اختیار کیں تا کہ آپ ﷺ کی اقتداء

کی جائے اور قوی الایمان شخص توکل اور اللہ پر پختہ یقین کے ساتھ ایسا کرے اور ضعیف الایمان آدمی پرہیز اور احتیاط کو مد نظر رکھتے ہوئے اس سے دور رہے۔ ۳۵

فقہی احکام کی تائید میں مصنف نے اصولی بحثوں سے بھی مدد لی ہے مصنف کے اس اسلوب کی جھلک دعوت نہ پہنچنے والے شخص کی نجات کے مسئلہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ کمزور روایات سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔ رقص صوفیہ کی دلیل میں پیش کردہ روایت اس کی واضح مثال ہے۔ مصادر و مراجع کے حوالے سے اگر بات کی جائے تو مصنف نے مراجع و مصادر کا تذکرہ اپنے مقدمہ کتاب میں کیا ہے اور اپنی کتاب کو سیرۃ ابن ہشام، کتاب الشفاء و شروح الشفاء، المواھب اللدنیۃ و شرح الزرقانی، السیرۃ الشامیہ، السیرۃ الحلبیہ اور ابن سید الناس کی عیون الاثر وغیرہ کا ملخص قرار دیا ہے مجموعی طور پر اگر دیکھا جائے تو احمد بن زینی دحلان کی "السیرۃ النبویۃ" متقدمین و متاخرین کی کتبِ سیرت کا نچوڑ ہونے کی حیثیت سے ایک اہم مرجع سیرت کی حیثیت رکھتی ہے۔ سیرت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ اس کا بنیادی وصف اور امتیاز ہے۔ وقائع سیرت سے مسائل واحکام کا استنباط و استخراج مصنف کے فقہی مزاج و ذوق کا آئینہ دار ہے

۔

حوالہ جات

ا۔ احمد بن زینی دحلان کے تفصیلی حالات زندگی کے لیے رجوع کیجئے:۔

(i) ابن العظم، جمیل بن مصطفی بن محمد، حافظ، السر المصوٴن ذیل علی کشف الظنون، بیروت، دارالفکر، ۱۴۲۳ھ / ۲۰۰۲ء۔: ۱۴۸

(ii) البیطار، الشیخ عبد الرزاق (م ۱۳۳۵ھ)، حلیۃ البشر فی تاریخ القرن الثالث عشر، بیروت، دار صادر، ۱۴۱۳ھ / ۱۹۹۳ء۔ ۱:۱۸۱۔۱۸۲

(iii) الکتانی، عبدالحی بن عبدالکبیر (م ۱۳۸۲ھ) فھرس الفھارس ومعجم المعاجم والمشیخات والمسلسلات، دارالغرب الاسلامی ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء، ۱:۳۹۰۔۳۹۲

(iv) البغدادی، اسماعیل پاشا (م ۱۳۳۹ھ)، ھدیۃ العارفین اسماء المؤلفین وآثار المصنفین، بیروت، دارالعلوم الحدیثیۃ، ۱۹۵۵ء، ۵:۱۹۱

(v) کحالہ، عمر رضا (م ۱۴۰۸ھ)، معجم المؤلفین، بیروت، داراحیاء التراث العربی۔ (س ن)، ۱:۲۲۹۔۲۳۰

(vi) الزرکلی، خیر الدین، الأعلام، بیروت، دارالعلم للملایین۔ ۱۹۸۴ء، ۱:۲۹۔۱۳۰

۲۔ لکھتے ہیں:"وھذہ الکتب ھی أصح الکتب المؤلفة فی ھذا الشأن، فأحببت أن ألخص ما احتوت علیه من سیرتهﷺ...... لأنی رأیتها منتشرة فی تلك الکتب مخلوطة بمباحث" دیکھئے: (دحلان، احمد بن زینی(م۱۳۰۴ھ)، السیرۃ النبویۃ، بیروت، دارالفکر، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء۔۱/۱۱)

۳۔ دحلان، السیرۃالنبویۃ، ۱:۱۳

۴۔ بنو بکر بن کلاب کے ایک قبیلہ بنو قرطاء پر حملہ سے واپسی کے موقع پر محمد بن مسلمہ کی قیادت میں لشکر نے بنو حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو قید کیا اور مسجد نبوی میں باندھ دیا جو کہ بعد میں نبی اکرم ﷺ کے رویہ سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ مصنف نے اس سے مندرجہ ذیل مسائل اخذ کیے ہیں۔

(i)کافر کو مسجد میں باندھا جا سکتا ہے۔(ii)کافر قیدی کو بلا معاوضہ چھوڑا جا سکتا ہے۔(iii)اسلام قبول کرتے وقت غسل کرنا چاہیے۔(iv)اگر قیدیوں میں سے کسی کے بارے میں امید ہو کہ وہ مسلمان ہو جائے گا تو اس سے نرمی روا رکھی جائے۔(v)کفار کے علاقے میں اسلامی دستے بھیجے جاسکتے ہیں(vi)جو کافر بھی ملے اسے قید کیا جا سکتا ہے اس کے بعد امیر کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو اسے قتل کر دے چاہے اس پر احسان کر کے چھوڑ دے۔(دیکھیے، دحلان، السیرۃالنبویۃ، ۲/۳۱۹۔۳۲۰/ اکمال المعلم ۶/۹۷/ فتح الباری ۱:۵۵۶۔)

۵۔ دحلان، السیرۃ النبویۃ، ۱/۲۹/ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر(م۹۱۱ھ)، الحاوی للفتاوی، بیروت، دارالکتاب العربی، (س ن)، ۲/۴۰۲/ الخطیب شربینی(۹۷۷ھ)، السراج المنیر، بیروت، داراحیاء التراث العربی، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء، ۳:۴۱۶

۶۔ السبکی، تاج الدین عبد الوھاب بن علی بن عبد الکافی(م۷۷۱ھ)، الإبهاج فی شرح المنهاج، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۴ھ، ۱/۱۳۸/ الغزالی، المستصفی ۱:۶۱

۷۔ ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی ۸/۴۲۸/ ابن قیم الجوزیہ(م۷۵۱ھ) مدارج السالکین، بیروت، دارالکتاب العربی، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء، ۱/۲۶۷: / الشہزانی، عایض بن عبداللہ بن عبدالعزیز، التحسین والتقبیح العقلیان واثرهما فی مسائل الفقه، الریاض، دار کنوز اشبیلیا، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء، ۱/۳۰۹۔۳۱۹

۸۔ الغزالی، محمد بن محمد ابوحامد، امام(۵۰۵ھ)، المستصفی من علم الاصول وبذیلہ فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، قم، منشورات الرضی ۱۳۰۲ء، ۱:۸۴۔

۹۔ دحلان، السیرۃالنبویۃ، ۱:۶۹

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ ایضاً، ۱:۳۹۲/ شرح النووی ۱۲:۱۵۳

۱۲۔ ایضاً، ۱/۴۱۳/ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۴/۴۱/ صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب الجاسوس، رقم الحدیث۔ ۲۸۴۵

۱۳۔ لکھتے ہیں:وقیل أن ذلك کنایة عن الحفظ من الوقوع فی المستقبل...... فلیس فیه اباحة الذنوب ولا الاغراء علیها۔ دیکھئے:(دحلان، السیرۃالنبویۃ ۱/۴۱۳)

۱۴۔ ایضاً، ۱:۴۱۴

۱۵۔ ایضاً، ۲:۱۶۶/ فتح الباری ۷:۳۴۵

۱۶۔ اہل عرب کی یہ عادت تھی کہ وہ جس سے بات کرتے، خاص طور پر چاپلوسی کرتے وقت، اس کی داڑھی پکڑ لیتے، اور زیادہ تر یہ طریقہ ہم مرتبہ لوگوں میں تھا لیکن حضور ﷺ عروہ سے نرمی برتتے ہوئے اس کی تالیف قلب کے لیے چشم پوشی کرتے رہے اور حضرت مغیرہؓ حضور ﷺ کی جلالت و عظمت اور تعظیم کے لیے اسے (عروہ بن مسعود کو) منع کر رہے تھے۔(دیکھیے: فتح الباری ۳۴۹/۵/ سبل الھدی والرشاد ۷۹/۵)

۱۷۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ۔ ۳:۳۲۷

۱۸۔ دحلان، السیرۃ النبویۃ، ۲:۱۸۰/ فتح الباری ۵:۳۴۰/ شرح النووی ۱۲:۹۳

۱۹۔ دحلان، السیرۃ النبویہ، ۲:۱۵۴/ فتح الباری، ۷:۴۶۳

۲۰۔ ایضاً، ۲:۱۵۴/ فتح الباری، ۷:۴۶۳

۲۱۔ دحلان، السیرۃ النبویۃ، ۲:۲۱۹/ السیرۃ الحلبیۃ ۳:۲۷

۲۲۔ جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے تو مصنف نے اس روایت کو بغیر کسی سند اور بغیر کسی کتاب کا حوالہ دیئے نقل کیا ہے یہ حدیث امام بیہقی کی" دلائل النبوۃ و معرفۃ احوال صاحب الشریعہ "میں موجود ہے امام بیہقی نے لکھا ہے کہ "فی اسنادہ الی الثوری من لا یعرف" (بیہقی، احمد بن الحسین، ابو بکر (۴۶۸ھ)، دلائل النبوۃ و معرفۃ احوال صاحب الشریعۃ، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۵ھ ۱۹۸۵ء، ۲۴۶/۴) علاوہ ازیں طبرانی کی المعجم الاوسط میں بھی اسے نقل کیا گیا ہے۔(المعجم الاوسط للطبرانی۔ ۵۳/۵)لیکن مذکورہ بالا روایت میں ”حجل“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے ”رقص“ کے الفاظ کہیں مذکور نہیں۔ جہاں تک حجل کے معنی کا تعلق ہے تو اس کے معنی بیان کرتے ہوئے صاحب لسان العرب نے لکھا ہے کہ "ان یرفع رجلاً ویقفز علی الاخری من الفرح "(لسان العرب۔ ۱۴۳/۱۱) نیز الخوجلی عورتوں کی ایسی چال کو بھی کہتے ہیں جس میں ناز و ادا ہو۔(لسان العرب۔ ۲۰۰/۱۱) ابن قیم اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اگر یہ روایت درست بھی ہے تو اس میں دباب اور تکسر (ناز و ادا سے چلنا) کی مشابہت اختیار کرنے اور چال میں تخنث (زنانہ پن / ہیجڑا پن) اختیار کرنے کے جواز پر کوئی حجت نہیں کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے منافی ہے البتہ اس بات کا امکان ہے کہ حضرت جعفرؓ کا مذکورہ بالا انداز (چال) حبشیوں کے اپنے بڑوں کی تعظیم کی عادت (و عرف) پر مبنی ہو جیسا کہ ترکوں کے ہاں "الجوک" بجانا پس حضرت جعفرؓ اس عادت کے مطابق چلے اور انہوں نے تو اسے ایک مرتبہ کیا تھا پھر طرز اسلام و طریقہ اسلام کی خاطر اسے چھوڑ دیا۔ لہٰذا یہ قفز و تکسر اور تثنیی و تحنث کہاں سے ہو گیا۔(زاد المعاد۔ ۲۹۶/۳) امام زینی دحلان نے اسے امام سیوطی کی الحاوی للفتاوی سے نقل کیا ہے اور امام سیوطی نے بنیادی طور پر ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے اس روایت سے استدلال کیا ہے اور اس کے جواز کی طرف گئے ہیں۔(السیوطی، الحاوی للفتاویٰ، ۴۴۵/۲)(رقص کے جواز و عدم جواز کے حوالے سے دیگر روایات کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ مسئلہ مختلف مکاتب فکر کے ہاں مختلف فیہ ہے، یہاں جواز یا عدم جواز ثابت کرنے کی بحث مقصود نہیں صرف مندرجہ بالا روایت کی استنادی حیثیت اور اس سے استنباط کے حوالے سے بحث کی گئی ہے) دیکھئے: حافظ محمد نعیم، ڈاکٹر، سیرت حلبیہ میں فقہ السیرۃ کے اُسلوب کا مطالعہ، افکار، کراچی، جلد ۲، شمارہ ۲، دسمبر ۲۰۱۸ء، ص ۳۶، ۴۳

۲۳۔ المواھب اللدنیہ ۲۸۸-۲۸۷:۱ / دحلان، السیرۃ النبویہ، ۱: ۳۰۵

۲۴۔ دحلان، السیرۃ النبویۃ ۲/۱۶/۱ السھیلی، عبد الرحمن بن عبد الملک بن أحمد بن أبی الحسن، الخثعمی (۵۸۱ھ) الروض الانف فی تفسیر السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، القاھرہ، دار الحدیث۔ ۱۴۲۹ھ ۳:۳۵:۴۳

۲۵۔ دحلان، السیرۃ النبویۃ، ۲:۱۴۸/ فتح الباری۔ ۱:۵۵۶

۲۶۔ دحلان، السیرۃ النبویۃ، ۲:۱۶۶/ فتح الباری۔ ۷:۳۴۵

۲۷۔ دحلان، السیرۃ النبویۃ ۲:۱۵۴/ فتح الباری۔ ۷:۴۶۳/ شرح النووی ۱۲:۱۸۲

۲۸۔ دحلان، السیرۃ النبویۃ، ۲:۱۸۰/ فتح الباری۔ ۵:۳۴۰

۲۹۔(i) دحلان، السیرۃ النبویۃ، ۲:۱۰۸

(ii) کتاب الشفاء، ۲:۱۸۴

(iii) الروض الانف، ۴:۴۲

(iv) السیوطی، عبد الرحمن بن أبی بکر (م۹۱۱ھ)، الخصائص الکبری، مکہ المکرمۃ، دار الباز (س ن) ۲:۲۳۹۔۲۰۲

۳۰۔ مسند الامام احمد بن حنبل، رقم الحدیث، ۱۹۴۷۴، ۴:۳۹۰

۳۱۔ ایضاً، رقم الحدیث، ۲۰۷۵، ۱:۲۳۳

۳۲۔ الھیثمی، نور الدین علی بن ابی بکر (م۸۰۷ھ)، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۹۶۷ء، ۵:۱۰۱

۳۳۔ مسند الامام احمد بن حنبل، رقم الحدیث، ۷۰۷۰، ۲:۲۲

۳۴۔ سنن ابو داؤد، کتاب الطب، باب فی الطیرۃ، رقم الحدیث، ۳۹۲۷/ سنن الترمذی، ابواب الاطعمۃ، باب ماجاء فی الاکل مع المجذوم، رقم الحدیث، ۱۸۱۷

۳۵۔ دحلان، السیرۃ النبویۃ، ۳/۱۸/ السیرۃ الحلبیۃ، ۳/۳۰۴/ فتح الباری ۱۰/۱۵۹/ شرح النووی ۱۴/۲۲۸/ زاد المعاد ۴:۱۴۰

☆ مجذوم شخص کے ساتھ کھانا کھانے یا اس سے اجتناب کرنے کی روایات میں تعارض کی بناء پر بعض حضرات نے ان روایات میں ناسخ و منسوخ کا تعین کیا ہے۔ (اس حوالے سے دیکھیے: ابن شاہین، عمر بن احمد بن عثمان، أبی حفص (۳۸۵ھ)، ناسخ الحدیث و منسوخہ، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء۔ ۵۱۷:۷۔۵۲۱